ڈاکٹر سید عبداللہ

ظہوری ترشیزی (دکنی)

(سرمۂ حیرت کشم دیدہ بدیدن دہم)

میرزا غالب کی عقیدت ظہوری سے۔ اور ہماری عقیدت غالب سے! اس لیے جستجو ہوئی کہ میرزا غالب نے نقشِ ظہوری کے بارے میں جو اندازِ تحسین اختیار کیا ہے، اور وہ کوئی معمولی بات نہیں تو آخر اس کی بنیاد کیا ہے؟ کیا سچ مچ ظہوری اتنا بڑا شاعر ہے کہ غالب جیسا سخنور اس کے سامنے سر جھکا کے چلے۔ اور ناصر علی سرہندی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "بر روئے زمین بہتر از ظہوری نیامدہ" (بحوالہ مرآۃ الخیال) اور اگر یہ معاملہ صرف ناصر علی سرہندی تک محدود رہتا

۱؎ نورالدین ظہوری (یا میر محمد طاہر بحوالہ سرخوش) کے مختصر حالاتِ زندگی یہ ہیں: شاید ۹۴۴-۴۵ھ میں بمقام تہران پیدا ہوا (مے خانہ) یا قاین میں (بساتین السلاطین) مگر اکثر تذکرہ نگار اسے ترشیزی لکھتے ہیں۔ سعید نفیسی کے بیان کے مطابق تہران میں ۹۳۳ھ میں پیدا ہوا۔ انتقال ۱۰۲۵ھ میں (مے خانہ ۱۰۲۴ھ میں) ہوا۔ یزد اور شیراز میں رہا جہاں ہم عصر شعرا سے ملاقاتیں ہوئیں۔ کچھ دیر تک شاہ عباس صفوی کے دربار میں رہا۔ ۹۸۸ھ میں بحری راستے سے بیجاپور (دکن) میں وارد ہوا۔ ظہوری نے حج بھی کیا اور واپسی پر احمد نگر میں برہان الملک کے دربار میں منصب ملک الشعرائی حاصل کیا۔ جب احمد نگر فتح ہو گیا تو وہ خان خاناں کے دربار سے متوسل ہو گیا ـــ ۷۰ سال کی عمر میں سلطان ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں بیجاپور چلا گیا۔ اور بیس برس تک منسلک رہا۔ ملک قمی ظہوری کا دوست تھا۔ فیضی اور عُرفی سے بھی خط و کتابت تھی۔ اور نظیری اور ابو طالب کلیم سے غائبانہ مراسم کا ذکر بھی تذکروں میں آتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے میرا مضمون "ظہوری" ـــ، در اُردو دائرہ معارف اسلامیہ۔

تو مضائقہ نہ تھا کہ ناصر علی کو خیال بافی کی عادت تھی، مگر جب غالب جیسا سخن فہم اور شاعر اس کی تعریف کرے تو سوچنا ہی پڑتا ہے کہ ظہوری کے اوصاف کمال ہیں کیا؟

جہاں تک میں غور کر سکا ہوں ظہوری کے تین نمایاں خصائص ایسے ہیں جن کی وجہ سے اس کا اس کے معاصرین اور بعد کے لوگوں پر خاص رعب پڑا۔

۱۔ ظہوری کی شخصیت اور درباری امتیاز اور جامعیت۔

۲۔ اس کی نثری تخلیقات اور نثری اسلوب۔

۳۔ اس کا ساقی نامہ۔

یوں تو کسی شاعر کا کسی دربار سے متعلق ہونا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں مگر ظہوری صرف شاعر دربار ہی نہ تھا بلکہ ندیم بھی تھا اور ابراہیم عادل شاہ سے تو اس کا رابطہ کم و بیش عاشقانہ معلوم ہوتا ہے۔
ظہوری جامع شخصیت کا مالک تھا۔ خوش نویس اعلیٰ درجے کا تھا۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ میر خواند کی کتاب روضۃ الصفا سو مرتبہ لکھی۔ (یہ اگرچہ بظاہر مبالغہ ہے۔ مگر اس کے کاتب و خوش نویس ہونے میں کلام نہیں) موسیقی میں بھی دسترس کا پتہ چلتا ہے۔ شاعری اور انشا دونوں میں اس کا امتیاز تسلیم شدہ ہے۔ اور نظم و نثر دونوں میں اس کا قلم یکساں طور سے رواں رہا۔

اس جامعیت کے علاوہ نظم میں اس کا ساقی نامہ اور نثر میں اس کے تین خطبے (سہ نثر) اس کے لیے باعث شہرت ہوئے۔

نثر میں ظہوری ایک اسلوب خاص کے مالک تھے۔ محمد حسین آزاد اس کی نثر کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "نظم و نثر میں لاثانی طرز اس کا سب سے علیحدہ ہے اور اسی کی ایجاد ہے ..... چھوٹے چھوٹے فقرے مقفیٰ لکھتا ہے۔ لیکن جس فقرے کو جس سے پیوند دیا ہے وہ ایسا ہے کہ تبدیل نہیں ہو سکتا۔"

میں جس حد تک غور کر سکا ہوں، ظہوری کی نثر کا کمال اس کے آہنگ میں ہے۔ وہ صوت کی ترکیب و ترتیب اس طرح کرتے ہیں کہ مطالب سمجھے بغیر بھی ان کی عبارت محظوظ کرتی ہے۔ ہم مخرج حروف کی حسین ترتیب و تشکیل سامعہ نوازی کرتی ہے، اور وہ حروف جو انبساط و نشاط کے نمائندے

ہیں خاص طور سے لاتا ہے۔ چھوٹے فقرے بھی لکھتا ہے اور لمبے بھی۔ صنعتوں میں تقابل و تضاد سے زیادہ مراعاۃ النظیر کا خیال رکھتا ہے۔ پنج رقعہ میں انداز بیان پُر تکلف ہے لیکن نثر میں شیرینی و رنگینی کی آمیزش ہے۔ ظہوری کا انداز وصاف، ابوالفضل اور دوسرے بڑے منشیوں کے انداز سے جُدا ہے، بعد میں آنے والوں نے مثلاً مُلّا طاہر وحید، نعمت خاں عالی اور ارادت خاں واضح (مصنف مینا بازار) نے اس کی تقلید کی کوشش کی مگر کامیاب کوئی نہیں ہو سکا۔

نظم میں ظہوری نے سب اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ اس کے دیوان میں غزل قصیدہ مثنوی، مراثی، رباعیات، قصائد، قطعات، ترکیب بند اور ترجیع بند موجود ہیں۔ مُلّا عبدالنبی نے 'مے خانہ' میں لکھا ہے کہ اس کا دیوان پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے (لکھنؤ کے مطبوعہ دیوان میں ۶۷۴ صفحے ہیں اور صرف غزلیات ہیں، اشعار کی تعداد ۱۳ ہزار کے قریب ہے) لیکن مخطوطوں کی صورت میں کتب خانوں میں جو کلیات ہیں ان میں سب اصناف ہیں ایک مثنوی آئینہ راز مع دیباچہ نثر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانے میں ہے۔ اسی کتاب خانے میں ایک اور مثنوی ابدالیہ (تصوّف میں) محفوظ ہے اگرچہ اس کا کچھ یقین نہیں منبع الانہار شاید ملک قمی کی ہے یا دونوں کا مشترک مال ہے۔

ظہوری کے قصیدے اکبری جہانگیری دور کے بڑے شعرا کے قصیدوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

رباعیات وغیرہ بھی عام درجے کی ہیں۔ البتہ ان کا ساقی نامہ ایک خاص چیز ہے (جس پر آگے چل کر گفتگو ہوگی)

یہ امر واقعہ ہے کہ ظہوری کی غزل، دوسرے درجے کی غزل ہے، یہ صحیح ہے کہ غالب نے خراجِ تحسین ادا کر کے ظہوری کے رُتبے کے بارے میں بڑا اعلیٰ تصوّر پیدا کر رکھا ہے مگر سچ یہ ہے کہ غزل میں وہ نظیری، عُرفی، فیضی وغیرہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تاہم ان کی غزل اتنی پست بھی نہیں جتنی آزاد بلگرامی نے خزانۂ عامرہ میں یہ کہہ کر ظاہر کی ہے کہ میں نے اس کی چند غزلیں پڑھ کر انتخاب اس لیے چھوڑ دیا کہ ......،

راقم الحروف کی رائے میں ظہوری کے کلام میں، قابل انتخاب بہت سے اشعار ہیں۔

ایک خاص بات جو ان کی غزل میں محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس لہجے کے آدمی ہیں جس سے اکبری جہانگیری دَور کے غزل گو شعرا (نظیری، عرفی، فیضی وغیرہ) کو امتیاز حاصل ہوا۔ ظہوری کی نوا بھی ان کی طرح پُر جوش اور مردانہ (بلکہ سپاہیانہ) ہے اور نسوانی لہجوں اور رومانی پیرایوں سے پاک ہے۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ظہوری معانی سے زیادہ صوتی اثرات کا شاعر ہے جہاں (الفاظ اور بحر کا) صوت اور الفاظ کے معانی موافق و مطابق ہو جاتے ہیں وہاں ان کی غزل چمک اٹھتی ہے۔ اس کے ثبوت میں ذیل کی غزل ملاحظہ ہو:

از دمِ تیغے مگر تن بطپیدن دہم
سرمۂ حیرت کشم دیدہ بدیدن دہم

شیر خان لودھی نے مرآۃ الخیال میں یہ غزل لکھی ہے اور غالب نے بھی اس کا جواب لکھا ہے اور اس کی بحر کی پُر جوش رجز یہ لَے نے اقبال کو بھی متاثر کیا ہے۔ قارئینِ کرام اس غزل کو دو تین بار پڑھنے کے بعد خود بخود محسوس فرمائیں گے کہ شاعر اکبری جہانگیری دَور کا ہے، آواز میں قوت رکھتا ہے اور بحر کی روانی سے، عزم اور سعی و حرکت کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی ظاہر ہو کر رہتا ہے کہ شاعر کے اور عرفی، نظیری اور فیضی کے مابین اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا دہلی اور دکن کے درمیان ہے۔ چنانچہ:

غزل کی لفظیات میں تیغ، خون چکیدن، تیغ و ترنج، بریدن، گزیدن، دویدن، خلیدن دریدن وغیرہ سب کچھ ہے مگر اندر سے دل، بزم آرائی اور فضائے عیش و نشاط سے دبا ہوا معلوم ہوتا ہے، اور سرمہ، جلوہ، غمزہ نقاب، یوسف و یعقوب، زانوئے حیف، کوہ ضعف، اشک سبک گام، فاختۂ عقل، برگِ گل و لالہ، زیب دریدن۔ گوش شنیدن، محلِ دل، بخت، امید وغیرہ وغیرہ ایسے الفاظ میں جن کا تاثر سابق الذکر پر غالب آیا چاہتا ہے ــــ اور ظاہر ہے کہ جس غزل میں "کوہ ضعف" جیسے الفاظ ہوں اور جس میں بختی امید کو جیرتا ہوا دکھایا جائے اس میں ہنگامۂ عمل اور حرکتِ حیات کا دعویٰ یا نمایش بھی موجود ہو تو وہ بے اثر ہی محسوس ہو گا۔[1]

---

[1] (حاشیہ صفحہ ۷ پر ملاحظہ ہو)

پھر بھی لہجے میں قوت اور آواز میں توانائی ہے اور شاعر اکبری جہانگیری دَور کے شاعروں کا ہم قبیلہ معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ غزل بھی ملاحظہ ہو:

گوہر ز جوشِ اشک بدریا گداختیم
از تابِ نالہ لالہ بصحرا گداختیم

فرقِ جنوں ز حیرتِ یکداغ سوختست
صد داغ بیش در دلِ شیدا گداختیم

بر ہم گاہِ راحت و محنت رہم فتاد
سود و زیاں ز گرمیِ سودا گداختیم

ایں روئے شعلہ ناک نیاوردہ آفتاب
از دیدنش بدیدہ تماشا گداختیم

در دشتِ جستجوی رہ از دست رفتگان
تا گل نکردہ آبلہ در پا گداختیم

رشکم جگر بسوخت ظہوری حریف نیست
در کورۂ غمش تن تنہا گداختیم

اس غزل میں مرکزی تاثر "گداختیم" کی وجہ سے ہے پھر ہر شعر میں کوئی جذباتی جہت پیدا کر کے، اس کے لیے پُرجوش اور ہیجان خیز پیرایہ اختیار کیا ہے ـــــ پوری غزل میں کسی نئی

۱؎ غالب اور اقبال دونوں نے اس زمین میں طبع آزمائی کی ہے۔ غالب کی غزل کا مطلع یہ ہے:

سوخت جگر تا کجا رنج چکیدن دہم — رنگ شو اے خونِ گرم تا بہ پریدن دہم

کہنے کو غالب نے اپنی غزل میں نقشِ ظہوری پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر اس میں غالب کا اپنا نقش غالب ہے۔ ظہوری کی غزل بالکل جدا چیز معلوم ہوتی ہے۔ جسے آپ چاہیں تو فیضی کے قریب قرار دے لیں۔ نہ غالب پر ظہوری کا کوئی نقش نظر آتا ہے نہ ظہوری کی غزل میں کوئی ایسی بات ہے جس کی پیروی غالب کرتے۔ بہرحال یہ جدا مبحث ہے جس پر الگ لکھا جائے گا۔

حقیقت کا انکشاف نہیں۔ معلوم حقیقتوں کا ذکر جوش انگیز طریقے سے ذاتی تب و تاب کے حوالے سے کیا ہے جس میں شدت اور مبالغے سے اثر پیدا کیا ہے، ورنہ بات کچھ نہیں۔

یہ صورت اس غزل میں دیکھیے:

از تیرِ آہ مغزِ ثریا شگافتیم — از سیلِ اشک سینۂ دریا شگافتیم
خون می چکد بخاک و جنوں جوش می زند — از خنجرِ بلا دلِ شیدا شگافتیم
گشتیم باشک گریۂ مستانہ بخیہ ریز — خوش عارفانہ خرقۂ تقوی شگافتیم
روزنگاہ بین کہ ہنگامۂ وصال — صد صف نگہ زشوقِ تماشا شگافتیم
نیلِ غمش زدیدۂ تر میرود ہنوز — رفتیم بمصر خاکِ زلیخا شگافتیم
از زہرِ تیغ ہجر ظہوری حکایتے — گفتیم بکوہ زہرۂ خارا شگافتیم

اب اس غزل پر غور کیجیے، شدت اور مبالغہ کے سوا اس میں کیا رکھا ہے۔ آواز میں ہیجان ہے اور باتیں کھوکھلی نہ بھی ہوں تو بھی اس میں لاف و ادعا کا اثر ہے۔ آہ کا تیر چلایا تو مغزِ ثریا کو چیر ڈالا۔ اشک کا سیلاب اٹھا تو سینۂ دریا کو چھلنی کر دیا۔ ہجر کی تلوار کے زہر کی بات پہاڑوں کے سامنے بیان کی تو زہرۂ خارا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ عام باتیں ہیں۔ آہ کی رسائی، اشک کے طوفان، بلاؤں کا ہجوم، آبلہ پائی، قصۂ درد کی تاثیر وغیرہ وغیرہ یہ مضمون ہر جگہ مل جاتے ہیں۔ ظہوری نے صرف یہ کیا ہے کہ انھیں اپنے ہیجان خیز پیرائے میں ادا کر دیا ہے فقط۔

اس غزل میں ہیجان انگیز الفاظ کے علاوہ صوتی تعمیر کچھ لطف پیدا کرتی ہے۔ ہم صوت حروف کی تکرار اور ان کی ترکیب و ترتیب سے اثر آفرینی واضح ہے:

خون می چکد بخاک و جنوں جوش می زند
از خنجرِ بلا دلِ شیدا شگافتیم

خون اور خاک اور خنجر، جنون اور جوش، شیدا اور شگافتیم میں خ، ج اور ش کی تکرار اثر آفرین ہے۔

گشتیم باشک گریۂ مستانہ بخیہ ریز
خوش عارفانہ خرقۂ تقوی شگافتیم

اس شعر میں ش، خ، ف اور ق کی تکرار باعثِ لطف ہے۔

زورِ نگاہ بیں کہ بہنگامۂ وصال

صد صف نگہ زشوقِ تماشا شگافتیم

اس شعر میں گ اور ص اور ش سے صوتی فضا تیار ہوتی ہے۔
اور اس میں تو کچھ شک نہیں کہ ساری غزل شگافتیم کے مرکزی تاثر سے مغلوب ہے۔
اس غزل کی صوتیات بھی ملاحظہ ہو۔

صد سینہ بہرِ رہن سرانجام کردہ ایم

داغِ دگر زسوختگان دام کردہ ایم

ص، س اور ر کی تکرار دیکھیے۔ اس کے بعد کے اشعار لکھتا ہوں۔ قارئین خود صوتی تجزیہ کر لیں:

فرزانگی است شہرہ بدیوانگی شدن

از پختگی است کار اگر خام کردہ ایم

راند زحرف ما بزبان ریشہ شہد کام

زین حنظلے کہ تربیتِ کام کردہ ایم

بستانیاں گلخن کوے محبتیم

خاشاک خشک را گلِ نزنام کردہ ایم

از رنگِ زہد آئینۂ سینہ گشت پاک

صیقل گری بہ شیشہ یک جام کردہ ایم

ظہوری کے کلام میں معانی وحقایق کا کوئی ذاتی تجربہ یا ان کا گہرا تفکر نہیں ملتا ـــــ اور الم و درد کا تو فقدان ہے۔ لے نشاطیہ ہے اور حروف والفاظ کی ترکیب وترتیب سے تجمل وتکلف کی عمارتیں جابجا کھڑی کی ہیں۔ مبالغے ہیں:

از سینہ گر ترانۂ بلبل برآورم

صد داغِ تازہ از جگرِ گل برآورم

نیل در نیل اشکِ محرومی ز مژگان می کشم
گردِ غم بر رُخ بیابان در بیابان می برم

نزدیک شد کہ جوشِ غیرت بر کشم
بر روی غیر، تیغِ دعائے سحر کشم

اس غزل کی ردیف قابلِ توجہ ہے :

دریوزہ و دشنام ز لب رُفتم و رفتم
شرمم ز دعا باد دعا گفتم و رفتم

یہ غزل بھی ملاحظہ ہو :

در ہوا زندان او بر بوستان خوش غالب است
در خرام او زمین بر آسمان خوش غالب است

تشبیہی استعارے ناقابلِ یقین اور گرانبار ہیں --- وہ خامی جس کے لیے ہندوستان کی شاعری کو بدنام کیا گیا ہے اکثر موجود ہے - یہ شعر دیکھیے :

ہمایوں طائرِ دل ذوقِ بال افشانی دارد
دران بستان کہ از پر ہائے مرغان دام میروید

غور فرمائیے - ظہوری کی خیالی دنیا حقیقت سے کتنی دُور ہوئی جاتی ہے - اس کے تخیل میں ایک ایسا بستان بھی ہے جہاں پرندوں کے پروں سے دام اُگ آتے ہیں -

مختصر بحر والی غزلیات میں قلبی واردات بھی کم کم نظر آتے ہیں ان کا بیان بھی راست ہے مگر ہیجان خیزی یہاں بھی ساتھ نہیں چھوڑتی لیکن تجربے کی گہرائی الم کی کسک، کسی نادر حقیقت کا انکشاف یہاں بھی کم ہی ہے - ظہوری شوق و نشاط کا شاعر ہے - غم کے سلسلے سے اس کا کچھ تعلق نہیں، غم کا بیان زیادہ سے زیادہ یہ شکل اختیار کرتا ہے :

غرقۂ داغم مرا بباغ چہ کار است
عکس تو گل کردہ سینہ آئینہ زار است

ظہوری کا گریۂ ہجر بھی غم نہیں محض بے تابی و اضطراب کا آئینہ دار ہے۔ غمِ زلیست اور دانشِ زیست دونوں اس کے دیوان میں در نہیں آئے ــــ اور اگر غالب کو اس کے باوجود ظہوری سے عقیدت ہے تو وہ اس کے کلام کے تجمّل اور اس کی آواز کی ہیجان خیزی کی وجہ سے جو شکوہ کی علامت ہے۔

کہا جا چکا ہے کہ ظہوری کی شہرت یا تو اُن کی نثر کی وجہ سے ہے یا اُن کے ساقی نامے کی وجہ سے۔ اور اگرچہ ان کی غزل بھی دوسرے درجے کی ہے مگر دیکھا جائے تو ساقی نامہ ہی اُن کا شاہکار ہے۔ آزاد بلگرامی نے اس کے بیان کی صفائی نمکینی اور نازک ادائی کی تعریف کی ہے۔ (مآثر الکرام جلد دوم ص ۶۲)۔ مگر یہ تعریف صحیح صورتِ حال کو ظاہر نہیں کرتی۔ ساقی نامے میں اور بھی بہت کچھ ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس ساقی نامے میں اس صنف کے جملہ آداب ملحوظ ہیں۔ مے کی تعریف ہے مے خانہ و مے فروش کی توصیف ہے۔ ساقی کو خراجِ تحسین ہے سب کچھ ہے مگر اس ساقی نامے میں توصیف اور نظمیہ تعمیر کے نئے تجربے بھی کیے ہیں۔ اس میں بزم کے علاوہ رزم کا رنگ بھی ہے۔ بزم اور شہری معاشرت کے لوازم، بہار، باغ، شب و شمع، مطرب، شام، پان، رقاص، فانوس، چراغ، گرمابہ، مسجد، بازار وغیرہ کے علاوہ رزم کی شمشیر و اسپ و قلعہ، توپ و فیل کی توصیف بھی ہے۔ اس ساقی نامے میں مثنوی کے ساتھ ساتھ غزل کا پیوند بھی ہے۔ ایک زور کی قسمیہ نظم ہے جو عرفی کے قسمیہ قصیدے کے مقابلے کی چیز ہے۔ پھر قصیدے کے انداز میں برہان الملک کی مدح بھی ہے، اس کی تعمیرات مسجد اور قلعہ وغیرہ کی بھی توصیف ہے ــــ اور جا بجا تاریخی حکایتوں کے ٹکڑے بھی لائے گئے ہیں اور جہاں ساقی سے خطاب ہے وہاں تقابل کے طور پر زاہد سے بھی خطاب ہے۔ اس وصفیہ نظم کاری کے اندر لاجواب قسمیہ نظم بھی ہے جس میں ظہوری کی قادر الکلامی عروج پر ہے اس ساقی نامے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں ظہوری کی شخصی آواز بھی ہے۔ یعنی اس میں ظہوری نے اپنے دل اور مزاج کی براہِ راست ترجمانی بھی کی ہے ــــ اور اپنے زمانے کے رجحانات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور زمانے کی بری روشوں پر بھی گفتگو کی ہے۔

مذمت روزگار کے عنوان سے ظہوری نے شکایت کی ہے کہ زمانہ اپنی گردشوں اور بے وفائیوں کی وجہ سے جو کچھ ہے، اس کے پروردگان بھی کچھ کم نہیں :

ہمہ گرگ طبعان ضرغام کین
ہمہ زیردستان بالا نشین
ہمہ راستان لیک اندر کجی
زہر یک جدا حقہا بہ کجی
ہمہ آشنایانِ بیگانگی
محل جوی چون دشمنِ خانگی
ہمہ نیش افسانۂ نوش چیست
ہمہ خار، گل در گلستان کیست

ساقی نامہ کیا ہے؟ ظہوری کے زمانے کی پوری زندگی (یا اس دور کی درباری زندگی) کا آئینہ ہے جس میں اس زمانے کی شائستہ سوسائٹی کا پورا انسان نظر آتا ہے۔ تیغ، سنان و خنجر، قلعوں اور شہروں کی تعمیر کے ساتھ شاہد و شراب و ساقی، اس کے ساتھ ہی قلم و کتاب و شعر و سخن —— ان سب باتوں کے باوجود حمد و مناجات کا طلبگار —— دعا و نماز میں اعتقاد رکھنے والا ناقص مگر پورا انسان اپنی بھرپور زندگی کے ساتھ چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ظہوری غم کا شاعر نہیں، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ زندگی کے تضادات سے وہ متاثر نہیں ہوتا۔ ساقی نامہ میں اس احساسِ ناگواری کی جھلک کئی جگہ نظر آتی ہے۔ ایک فصل "در شکایت بخت" میں اپنی اس خلش کا کھلے الفاظ میں ذکر کرتا ہے:-

ندادہ طالع بآں حالتم	کہ از دشمن و دوست در خجلتم
محبت، محبت زدم سالہا	نگفتم کہ رفتم بایں حالہا
زبیم شماتت بخون می طپم	زخصمان نہان در درون می طپم
بدل گریۂ غم گرہ می کنم	بجان آہ حسرت زدہ می کنم

لیکن یہ اظہارِ غم معمولی سطح کا ہے اور وہ نہیں جو زندگی کی حقیقتوں سے پردہ اٹھایا کرتا ہے ——

تجزیہ غم کی گہرائی نظر نہیں آتی۔

ساقی نامے کا وہ حصہ قیمتی ہے جس میں ظہوری نے شاعری کی حقیقت بیان کرکے اپنی شاعری پر کچھ لکھا ہے۔

تعریفِ سخن میں لکھا ہے:

سخن چیست سرجوش این ہفت خم
کزو ہوشیاران کنند اشتلم
جہانے است مستانہ در گفت گو
زخمخانۂ اوست این ہائے وہو
زبان از سخن این چنیں تازہ رو است
دہانِ خموشی پر از گفت گو است

شاعری کی تاثیر کے بارے میں لکھا ہے:

کند جنگ بر صلح گر اختیار
شود بزم ہا عرصۂ کارزار
بنرمی در آید خسک قاقم است
بگرمی در آید فلک ہیزم است
شود گاہ مقراض و گہ سوزن است
بدرو بدوزد چہ چابک فن است

اپنے کلام کی تعریف، اور اپنے دعوے کے اثبات کے طور پر دو فصلوں میں شعر و شاعری کے کچھ تصورات بھی آگئے ہیں۔ شاعری کے بارے میں بڑی عمدہ بات یہ کہی ہے کہ:

آسان ترش ہست دشوار تر

اور یہ اصول بھی کچھ کم کارآمد نہیں،

بمعنی بیارای لفظ آنچناں   کہ گردد ستایش ستایش بآن
اگر لفظ و معنی نظیرِ ہم اند   بیجا یک اداتی اسیرِ ہم اند

تناسب بہر معنی عمدہ گیر عروسِ جمیل و لباسِ حریر
اگر تنگ ورزی نہ دارد حروف ز معنی تراشی نداری وقوف
بتکرار گر شد مکدر ردیف ردیف طویت کے شمارد حروف
بیا کی زبان معرفت زای کن درون چون برعلن خود آرای کن
ازان شعرِ خشک الحذر الحذر کہ چشمے نگردا نداز گریہ تر

ان اشعار میں ظہوری کا اپنا تصورِ شاعری ہے، یوں آخری شعر میں جو کچھ کہا ہے وہ ان کی شاعری میں مفقود ہے۔ البتہ وہ صنعت بدرجہ کمال ہے۔ جیسے انھوں نے تناسب کہ کر عروسِ جمیل در لباسِ حریر قرار دیا ہے۔

بہرحال ساقی نامہ ایک اہم نظم ہے اور نثر کے اسلوب خاص کی طرح یہ بھی ظہوری کی شہرت کے لیے جائز بنیاد مہیا کرتا ہے۔

ان وجوہ سے اگر غالبؔ یا دوسرے شعرائے ہند کی نظر میں ظہوریؔ نے عزت پائی اور احترام کی نگاہ سے دیکھے گئے تو تعجب نہیں ہوتا اگرچہ یہ ضرور کہنا پڑتا ہے کہ اس میں ظہوری کی شخصیت اور درباری رتبے کا بھی بڑا حصہ ہے۔

تاریخ جمہوریت : شاہد حسین رزاقی

موجودہ زمانے میں جمہوریت کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے اور اس نے ایک ترقی یافتہ نظریۂ حیات کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہ کتاب قبائلی معاشروں اور یونان قدیم سے لے کر عہدِ انقلاب اور دورِ حاضرہ تک جمہوریت کی مکمل تاریخ ہے جس میں جمہوریت کی نوعیت و ارتقا، مطلق العنانی اور جمہوریت کی طویل کشمکش، مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی و مغربی جمہوری افکار کو نہایت واضح اور عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے بی اے آنرس کے نصاب میں داخل ہے۔

صفحات : ۴۴۰ : قیمت : -/۸ روپے

ملنے کا پتہ : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ - کلب روڈ، لاہور